فکرِ اقبال کے تہذیبی رویے

جیلانی کامران

(۱)

اقبال کی شاعری میں ایسے کئی واضح اشارے بخوبی دکھائی دیتے ہیں جن سے اقبال کے تہذیبی رویوں کو اخذ کیا جا سکتا ہے ۔ خاص طور پر تہذیبِ مغرب اور تہذیبِ نو کے حوالے سے جن تہذیبی رویوں کا علم ہوتا ہے وہ مغربی بود و باش اور مغربی اندازِ تمدن کو قبول نہیں کرتے ۔ اور ان سے جس نوع کی انسانی زندگی پیدا ہوتی ہے اُس کی نفی کرتے ہیں ۔ آزادیٔ نسواں کے بارے میں اقبال کا تہذیبی رویہ بے حد محتاط اور مشروط ہے ۔ "جاوید نامہ" میں افرنگین کے نام سے جو نسوانی پیکر ظاہر ہوتا ہے وہ بیک وقت آزادیٔ نسواں کی تنقیدی[1] رودار بھی ہے اور مغربی فکری کیفیت کی علامت بھی ہے ۔ افرنگین کے طلسم سے مغرب کا انسان ہر اعتبار سے مجروح دکھائی دیتا ہے ۔ اور فکرِ اقبال کے مطابق یہ امر بآسانی ذہن نشین کیا جا سکتا ہے کہ جو تہذیبی رویے افرنگین کی کافری اور ہلاکت تک پہنچتے ہیں اُن سے انسان باقی نہیں رہتا ۔ جسم روح کا تابوت بن جاتا ہے اور زمین سے آسمان تک ہر سچائی انسان کی دسترس سے دور چلی جاتی ہے ۔ مغرب کا مرکزی تہذیبی رویہ جسم اور روح کی دوئی پیدا کرتا ہے ۔ مشین کی جبریت کو قائم کرتا ہے اور گھرانے کو بکھیر دیتا ہے ۔ فکرِ اقبال ایسے تہذیبی رویے کو انسان کے لیے مضر قرار دیتا ہے اور مسلمان اقوام کو اس تہذیبی رویے کی پیروی سے خبردار کرتا ہے !

تاہم اقبال کا فکری نقطۂ نظر تاریخی حقیقتوں کو فراموش نہیں کرتا ۔

۱۔ دوشیزۂ مریخ در شہر مرغدین کو افرنگین کے ساتھ شامل کرنے سے پوری تہذیبی رویے کی تصویر ظاہر ہوتی ہے ۔

غالباً اسی لیے اقبال کے فکری منظر میں اپنے عہد کی تہذیبی صورت کا واضح اظہار بھی ملتا ہے ۔ خطباتِ مدراس کے آغاز ہی میں اقبال اس کیفیت کی نشاندہی کرتے ہیں ۔ اُن کا کہنا ہے :

''عصرِ حاضر کی تاریخ کا سب سے قابلِ ذکر واقعہ یہ ہے کہ عالمِ اسلام بڑی تیز رفتاری سے روحانی طور پر مغرب سے متاثر ہو رہا ہے ۔ اس عمل میں یقیناً کوئی برائی نہیں ہے ؛ کیونکہ مغرب کی فکری اساس کے بعض اہم پہلو حقیقت میں اسلامی تہذیب ہی نے دریافت کیے تھے ۔ ہمارے لیے تشویش کی بات صرف یہی ہے کہ کہیں مغرب کی بیرونی چمک دمک ہماری نظروں کو خیرہ نہ کر دے اور ہم اس کلچر کی اصل سچائیوں تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکیں ۔ ۔ ۔''

فکرِ اقبال کا یہ رویہ (جس سے تہذیبی رویوں کی ساخت ممکن ہے) دراصل مسلمانوں کو انسانی تہذیب کے عالمی ماحول سے متعارف کرتا ہے ۔ لیکن ایسا تعارف اس اعتبار سے مشروط بھی ہے کہ فکری رویے جن سے تہذیبی رویے صورت اخذ کرتے ہیں ، بنیادی سچائیوں کے ادراک کے بغیر نامکمل اور ادھورے (اور اس طرح مسلمانوں کے لیے ضرر رساں) ثابت ہو سکتے ہیں ۔ اس تہذیبی صورتحال کو واضح کرنے کے بعد اور افرنگین اور دوشیزۂ مریخ کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ ، فکرِ اقبال جس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے یہ ہے کہ مسلمانوں کی تہذیبی ضمیر ، مکمل انسانی شخصیت کی نمائندگی کرتی ہے ۔ مسلمان عقلِ محض کی پیروی کو نامکمل حصولِ علم قرار دیتے ہیں ۔ اور اُن کی تہذیبی شخصیت زندگی کو باقاعدہ مشاہداتی حقیقت تصور کرتی ہے ۔ حصولِ علم ، جس سے فکری اور تہذیبی رویے وضع ہوتے ہیں اصل میں حواس ، عقل اور محسوساتِ قلب کے مربوط رشتے سے ممکن ہوتا ہے ۔ اور غالباً ماضی میں جب سے یہ مربوط رشتہ حالات کے زیرِ اثر شکست و ریخت سے متاثر ہوا ہے ، مسلمانوں کے فکری اور تہذیبی رویے اپنی تخلیقی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ناکام رہے ہیں ۔

(۲)

اس امر سے بہت کم اختلاف ہوگا کہ اقبال کا تمام تر زاویۂ نظر فکری ہے ۔ اور فکری دائرۂ کار ہی سے اُن کے دوسرے رویے مرتب ہوتے ہیں ۔ اس لیے جب وہ تہذیبی رویوں کے بارے میں غور کرتے ہیں تو

اُس وقت بھی ان رویوں کے پیچھے موجود فکری اجزا ہی اُن کی توجہ کا مرکز بنتے ہیں ۔ تاہم جہاں تک فکرِ اقبال میں مضمر تہذیبی رویوں کا تعلق ہے یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اقبال تین مختلف زاویوں سے ان رویوں کو زیرِ بحث لاتے ہیں ۔ ان میں پہلا تناظر مسلمانوں کے ماضی سے تعلق رکھتا ہے ۔ دوسرا عہدِ حاضر کی مغربی تہذیب کا منظر ہے ۔ اور تیسرا اُس مستقبل کے حوالے سے ظاہر ہوتا ہے جو یقینی طور پر عالمِ اسلام کی عصری تاریخ میں آشکار ہونے کو ہے ۔ اس تین طرفہ منظر نامے میں مخاطب مسلمان ہیں ۔ لیکن اصل میں انسانی ذہن کی نشوونما اُن کا موضوع ہے اور تصورات کا قائم کردہ ماحول اس موضوع کی وضاحت کرتا ہے ۔ فکرِ اقبال کے مطالعے سے جو بات واضح ہوتی ہے یہ ہے کہ افکار اور کردار کا باہمی رشتہ تہذیب و تمدن کے لیے مرکزی اہمیت کا حامل ہے ۔ افکار کی افزائش کے رک جانے سے تہذیب اپنی زندگی سے محروم ہو جاتی ہے ۔ اور وہ تہذیبی رویے جن سے تہذیب کے ادارے اور تہذیب کے آداب و سلوک مرتب ہوتے ہیں انسانوں کے لیے فائدہ مند ثابت نہیں ہوتے ۔ اس اعتبار سے فکرِ اقبال میں افکار اور کردار کے باہمی رشتے کے مابین انسان ظاہر ہوتا ہے جسے اقبال اپنی اصطلاح میں 'خودی' سے موسوم کرتے ہیں[۲] ۔

جس تین طرفہ منظر نامے کا ذکر کیا گیا ہے اس میں مسلمان اپنی عصری تاریخ کے ساتھ ایک نئی اور بدلی ہوئی دنیا میں وارد ہوتے دکھائی دیتے ہیں جو عصرِ حاضر سے پیدا ہوتی ہے اور آئندہ زمانے کے آفاق تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہے ۔ اقبال اس وسیع تر دنیا میں مسلمانوں کے تہذیبی رویوں کا جائزہ لیتے ہیں اور صرف اس ایک بات کے باعث کہ تہذیبی رویوں کی افادیت اور ان کا مقام اُن کی نظر میں کیا ہے ، اس امر کو فراموش کرنا مشکل ہے کہ خطباتِ مدراس میں ایک بے حد خیال انگیز لیکچر ،مسلمانوں کے تہذیبی رویوں کے بارے میں ہے ۔ تاہم اس ضمن میں غور طلب یہ امر بھی ہے کہ اقبال تہذیب کی وضاحت کے لیے کلچر کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں ۔ اور کلچر اپنے انگریزی مفہوم کی بجائے جرمن معانی کے زیادہ قریب دکھائی دیتا ہے ۔ اقبال کی نگاہ میں کلچر زندہ تصورات کے سلسلے کو نمایاں کرتا ہے اور ایسی فکری فضا فراہم کرتا ہے جو

۲۔ وضاحت کے لیے دیکھیے خطبات مدراس کا پہلا لیکچر ۔

انسان کو اپنی پسند کی دنیا (جہانِ تازہ) تعمیر کرنے میں مدد دیتی ہے۔

(۳)

فکرِ اقبال میں کلچر کی اصطلاح بنیادی نوعیت کی حامل ہے ۔ اور فکری طور پر کلچر اُن رویوں کی نشاندہی کرتا ہے جن سے قوموں کی تہذیب نمو پذیر ہوتی ہے ۔ اسی لیے میں نے کلچر کو اس کے جرمن مفہوم میں قبول کرنے پر اصرار کیا ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پچھلے تیس برسوں کے دوران کلچر کے معانی میں بھی کافی تبدیلی ہوئی ہے۔ اور کلچر مظاہراتی شکل اختیار کر گیا ہے ۔ فکرِ اقبال میں کلچر تہذیب کو پیدا کرتا ہے اور اس طرح تہذیب کا باطن بنتا ہے ۔ فکرِ اقبال میں کلچر اور تہذیب دو الگ تصور ہیں اور ان کے درمیان انسان واقع ہے ۔ جس نوع کا کلچر ہوگا اُسی نوع کا انسان ظاہر ہوگا اور ایسے انسان سے اُسی نوع کی تہذیب وقوع پذیر ہوگی ۔ انسانی اور تہذیبی رویے دراصل کلچر مرتب کرتا ہے اور ایک اعتبار سے یہ رویے کلچر کا پرتو ہوتے ہیں ۔ مسلم کلچر کے مطالعے کے آغاز ہی میں اقبال مسلمانوں کے کلچر کی وضاحت کے لیے مولانا عبدالقدوس گنگوہی کا ذکر کرتے ہیں اور مسلم کلچر کو ایک نئی دنیا کی تخلیق کا اصول قرار دیتے ہیں ۔ نبوت ایک نئی دنیا تخلیق کرتی ہے اور مسلم کلچر سنتِ نبوی کی پیروی میں ہر زمانے ہیں اس نئی دنیا کو برابر ایک جہانِ تازہ کی صورت فراہم کرتا ہے ۔ مسلم کلچر انسانوں کی فلاح کا کلچر ہے اور اس کی ذمہ داریاں اُس وقت تک پوری نہیں ہوتیں جب تک کہ انسانوں کے لیے جہانِ نو پیدا نہیں ہوتا ۔ مسلم کلچر کے لیے دنیا وہ خام شے ہے جس سے انسان کی بہتر زندگی رونما ہوتی ہے ۔ فکرِ اقبال میں خارجی دنیا مسلم کلچر کی رونمائی کی دنیا ہے ۔

اس خارجی دنیا کو مسلمانوں کے لیے قابلِ توجہ اور قابلِ تسخیر قرار دینے کے لیے فکرِ اقبال ختمِ نبوت کے دینی نظریے سے انسانی تہذیبی اور فکری نظریے کو اخذ کرتا ہے ۔ اور اس طرح ختمِ نبوت سے ایک بااعتماد انسانی دورِ تہذیب کی ابتدا مراد لیتا ہے ۔ اس طرح اس دینی نظریے کی مدد سے جو تہذیبی رویہ پیدا ہوتا ہے اُس تہذیبی رویے کا انسان ، فکرِ اقبال میں مسلمان کا اسم اختیار کرتا ہے ۔ اور اقبال اُسے مسلم کلچر کے ظہور کے لیے اپنے افکار میں مرکزی مقام دیتے ہیں ۔ خارج کی دنیا کو

جہانِ نو میں بدلنے کی تہذیبی قدر معراجِ نبوی سے صادر ہوتی ہے اور اس جہانِ نو کو تہذیبِ انسانی میں ڈھالنے کی ذمہ داری اُس اصول سے برآمد ہوتی ہے جسے ختمِ نبوت کا دینی نظریہ انسان کے لیے لازم قرار دیتا ہے۔ مسلم کلچر اپنے تہذیبی رویوں میں خارج کی دنیا کے ساتھ بااعتماد انسان کا ایک ایسا رشتہ قائم کرتا ہے جو ہمیشہ متحرک رہتا ہے۔

(۴)

انسان کے تہذیبی رویوں میں خارجی دنیا کے ساتھ انسان کا رشتہ عموماً ایک جانا پہچانا رشتہ ہے۔ اور عصرِ حاضر کے تہذیبی رویوں میں اس رشتے کی پہچان بھی دشوار نہیں ہے۔ اور اس رشتے کی مدد سے زمانۂ حاضر کے انسان نے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں اُن سے ہم سب آشنا بھی ہیں۔ تاہم کلچر کے ضمن میں اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کلچر ایک جامع نقطۂ نظر کی نشاندہی کرتا ہے۔ اور تہذیبی روے اس جامع نقطۂ نظر سے اپنی صداقت اخذ کرتے ہیں۔ فکرِ اقبال اسلامی تہذیبی روے کو غیر کلاسیکی قرار دیتا ہے اور اس طرح عقلِ محض کو ادراکِ حقائق کا واحد ذریعہ سمجھنے سے اختلاف کرتا ہے۔ عقلِ محض کی رہنمائی میں انسان اپنے خارجی ماحول کی دریافت اور تسخیر میں کامیاب ضرور ہوتا ہے، لیکن وہ اپنی کائنات میں صرف اپنا ہی شعور حاصل کرتا ہے۔ اور آخرکار منطقی اثباتی فلسفے سے گزرتا ہوا، ذہن اور جسم کی دوئی تک پہنچتا ہے اور اُسے صرف اپنی تنہائی اور اپنے اکیلے پن کا عرفان ہوتا ہے۔ انسان کے تہذیبی سفر کا ایسا آشوب فکرِ اقبال کا پس منظر مرتب کرتا ہے۔ اور اس پس منظر کی موجودگی میں فکرِ حقیقتِ مطلق (وجودِ مطلق) کو انسانی محسوسات کے قریب تر لانے کے لیے قرآنی تعلیمات کے اُن نمایاں اصولوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کائنات کو انسانی غور و فکر کے لیے مقدم ٹھہراتے ہیں۔ فکرِ اقبال اس حوالے سے اسلامی فلسفے کے اُن موضوعات کو جو علمِ توحید سے تعلق رکھتے ہیں، علمِ کائنات کے موضوعات قرار دیتا ہے اور اس طرح انسان کے خارجی دنیا کے ساتھ رشتوں کو ایک جانب معرفتِ وجودِ مطلق کے لیے مددگار ٹھہراتا ہے اور دوسری طرف انسان کو دریافتِ کائنات کی ذمہ داری سونپتا ہے۔ فکرِ اقبال کا بنیادی تہذیبی رویہ اس اعتبار سے دریافتِ کائنات کا رویہ ہے جو انسانی شعور کو معرفتِ وجودِ

مطلق سے آگاہ کرتا ہے ۔ فکرِ اقبال کے اس مقام پر نظری تصوف اور عقل اور حواسی ادراک کا امتزاج دکھائی دیتا ہے ، اور اس امتزاج سے خارج کا ہر تجربہ ، مشاہدے ، استدلال اور نتائج کی ترتیب سے بہرہ مند ہوتا ہے ۔ فکرِ اقبال کے مطابق مسلمانوں کے تہذیبی رویوں کی بنیاد دریافت کائنات کے انسانی رشتے پر قائم ہیں جو ہر[۳] شے کو قابلِ غور اور ہر واقعے کو قابلِ شناخت تصور کرتا ہے اور اس طرح جس تہذیبی سفر کی ابتدا کرتا ہے وہ محدود سے غیر محدود ، موجود سے غیر موجود اور معلوم سے غیر معلوم کی دریافت کرتا ہے ۔ اس تہذیبی رویے اور انسانی سفر سے جہان فلسفہ' اقبال کی زبان میں 'کشودِ ذات' ممکن ہوتا ہے وہیں 'خودی' اپنے ماحول پر محیط ہوتی ہے ۔ اور انسانی تہذیب اپنے لیے جہانِ لو پیدا کرتی ہے ۔

مسلمانوں کے اس تہذیبی رویے (دریافتِ کائنات) سے جہان انسان محدود اور غیر محدود اور معلوم اور غیر معلوم کے مابین تخلیقی رابطے کو قائم کرتا ہے جس تہذیبی سفر کی ابتدا ہوتی ہے وہ غیر محدود ، غیر موجود اور غیر معلوم کی دریافت اور شناخت کرتے ہوتے جس اعلیٰ مسرت سے آشنا ہوتا ہے وہ خوشی صرف کسی ایک فرد یا کسی ایک گروہ یا کسی ایک قوم کے لیے خوشی ثابت نہیں ہوتی بلکہ اپنے عہد کے تمام انسانوں کو اس خوشی میں شریک کرتی ہے ۔ اور اس طرح دریافتِ کائنات کا تہذیبی رویہ بنی نوع انسان کے لیے ارفع مسرتوں کی بشارت فراہم کرتا ہے ، اور ایک مسکراتی ہوئی دنیا ظاہر ہوتی ہے ۔ فکرِ اقبال اس مسرت کو تصوفِ عالیہ کے سیر و سلوک سے نسبت دیتا ہے ۔

(۵)

دریافتِ کائنات کا تہذیبی رویہ ایک پہلے سے معلوم اور ایک قدیم سے موجود طرزِ ادراک کی بتائی ہوئی دنیا میں سازگار نتائج پیدا نہیں کر سکتا ۔ کیونکہ پہلے سے معلوم جغرافیے میں انسان کی عام فہم خواہشات تو پوری ہو سکتی ہیں اُس کے کشودِ ذات کی صورت پیدا نہیں ہوتی ۔ اس لیے

۳۔ مسلمانوں کے فلسفے میں 'شے' ایک 'چیز' بھی ہے اور ایک 'واقعہ' بھی ہے ۔

دریافتِ کائنات کا تہذیبی رویہ اپنے ہر تخلیقی اظہار اور تخلیقی سفر کے دوران انسانی زندگی کے لیے نیا ماحول ، نیا مفہوم اور نیا شعور حاصل کرتا ہے اور اس طرح ، انسان کے لیے دنیا کی ایک نئی اور بہتر شکل کو آشکار کرتا ہے ۔ دریافتِ کائنات کا رویہ زمانے کے بطن سے نئے زمانے کو ظاہر کرتا ہے ۔ اس رویے کے بغیر انسان کی دنیا جامد اور بے جان ہو جاتی ہے ۔ قومیں بوڑھی ہو جاتی ہیں ۔ اُن کے ادارے کمزور ہو جاتے ہیں اور اُن کے لکھے ہوئے اور سنے ہوئے الفاظ پژمردہ ہو جاتے ہیں ۔ قوموں کی زندگی میں خزاں کا موسم اُس وقت ظاہر ہوتا ہے جب وہ دریافتِ کائنات کے تہذیبی رویے سے محروم ہو جاتی ہیں ۔

(۶)

کلچر کے ضمن میں اقبال ابنِ مسکویہ (وفات ۱۰۳۰ء) کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں جس نے علمِ نباتات کو بھی اپنے غور و فکر کا موضوع بنایا تھا ۔ ابنِ مسکویہ نے حیوانات اور نباتات کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے نقل و حرکت کو اہم قرار دیا ہے اور اشارہ کیا ہے کہ نباتات ، حیوانات کے مقابلے میں مخلوقات کے درجے میں کمتر ہیں کہ وہ زمین میں پیوست ہیں اور حیوانات کا زمین کے ساتھ ایسا رشتہ نہیں ہے ۔ اس مشاہدے کی بنا پر ابنِ مسکویہ زمین کے ساتھ پیوستگی کو آزادی سے محرومی تصور کرتا ہے ۔ ارضی پیوستگی سے آزادی نقل و حرکت کے شعوری عمل کو ظاہر کرتی ہے ۔ فکرِ اقبال میں ابنِ مسکویہ کے مشاہدے سے جہاں آزادی ایک شعوری اور تہذیبی رویے کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے اور دریافت کائنات کے رویے کو پختہ کرتی ہے وہیں اس رویے سے زمین کے ساتھ پیوستگی کا رویہ منفی صورت اختیار کرتا ہے ۔ اس اعتبار سے ایسے زمینی رشتے جو دریافتِ کائنات اور آزادی کے تہذیبی رویوں کی راہ میں حائل ہوتے ہوں ، فکرِ اقبال کی روشنی میں انسان کو نباتیاتی درجے میں شامل کرتے ہیں ۔ جہاں انسان محدود ہو جاتا ہے اور جمود کی کیفیت رونما ہوتی ہے ۔ زمین انسان کی دریافت کا موضوع ہے ، انسان کی پیوستگی کا منظر نہیں ہے ۔ انسان زمین سے اُگتا نہیں ہے زمین پر آباد ہوتا ہے ۔ اور اگر زمین اللہ کی ہے تو زمینی رشتے اُس شکل میں تہذیبی طور پر ظاہر نہیں ہو سکتے ۔ جس طرح بعض اہلِ فکر اس زمانے میں زمینی رشتوں کا ذکر

کرتے ہیں اور دھرتی کے نام پر تہذیبی رویوں کی نشاندہی کرتے ہیں ۔

(۷)

تہذیبی رویوں کی وضاحت اور شناخت کے سلسلے میں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ انسان جس دنیا میں زندگی بسر کرتا ہے اُس کی صورت کیا ہے ۔ دوسرے لفظوں میں انسان کی نظر میں 'تصورِ دنیا' کیا ہے ؟ دنیا کی شناخت کے بغیر تہذیبی رویوں کی شناخت ممکن نہیں ہو سکتی ۔ فکرِ اقبال اس ضمن میں عراقی (وفات ۱۲۸۷ء) کے تصورِ زمان کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ ایک عام شخص کے لیے دنیا عموماً ساکن ہوتی ہے اور اُس کی اپنی زندگی متحرک ہوتی ہے کیوں کہ اسے وہ پیدائش اور موت کے حوالے سے جان سکتا ہے ۔ اپنی عمر کے علم سے کوئی بھی شخص اس امر سے واقف ہوتا ہے کہ اُس کی زندگی وقت کے دائرے میں قائم ہے اور اُس کی زندگی محض وقت ہے ۔ اس طرح دنیا بھی ساکن نہیں رہتی اور وقت بن جاتی ہے ۔ اور ہر شے وقت ہی میں قائم اور موجود دکھائی دیتی ہے ۔ اور عمارتوں اور واقعات دونوں کی اساس وقت بن جاتا ہے ۔ فکرِ اقبال میں عراقی کا نقطۂ زماں وقت کے دو بہتے ہوئے دھاروں کو متحرک قرار دیتے ہوئے وقت کو مطلق تصور کرتا ہے ۔ اور اس طرح جس نوع کی تصورِ دنیا فراہم کرتا ہے اور جس تہذیبی رویے کی تشکیل کرتا ہے یہ ہے کہ انسان زمانے میں آباد ہے ۔ اور زمانہ اُس کی دریافت اور شناخت کا موضوع ہے ۔ اور چونکہ زمانہ مسلسل حرکت میں ہے اس لیے انسان کے مقام و منازل کا متحرک ہونا بھی لازمی ہے ۔ زمانے کے ساتھ انسان کا حرکت پذیر رشتہ تہذیبی طور پر نئے امکانات کو ظاہر کرتا ہے اور نئے امکانات کے بغیر جہانِ نو ظاہر نہیں ہو سکتا ۔ اور جو قومیں جہانِ نو کی تعمیر میں حصہ نہیں لے سکتیں وہ وجودِ مطلق کی صفت کو کہ وہ وقتِ مطلق ہے فراموش کرتی ہیں اور اپنی اجتماعی زندگی کو رفتارِ زمانہ کے سامنے پامال ہوتے دیکھتی ہیں ۔ اس اعتبار سے فکرِ اقبال کی روشنی میں عمل ایک تہذیبی رویہ ہے جو زمانے پر اثر انداز ہوتا ہے اور زمانے میں مضمر امکانات کو دوسرے تہذیبی رویوں کے ساتھ مربوط کرتا ہے ۔ فکرِ اقبال عمل کے تہذیبی رویے کو مقام و وقت کے مابین جس نوع کا مفہوم مہیا کرتا ہے وہ انسان کو زمانہ گری کی قوت دیتا ہے ۔

(۸)

زمانے کو عمل کے تہذیبی رویے کا موضوع قرار دینے کے بعد فکرِ اقبال تاریخی شعور — شعورِ تاریخ — کو تہذیبی رویے کے طور پر قبول کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عمل کے ساتھ زمانہ گری کی ذمہ داری کو شامل کرتے ہی تاریخ کا شعور ضروری ٹھہرتا ہے۔ فکرِ اقبال قرآنی تعلیمات کی رہنمائی میں اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ قوموں کو اجتماعی طور پر پرکھا جاتا ہے اور اُنھیں زمین ہی پر اپنے اعمال کی سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ تاریخ کا شعور اس اعتبار سے ہر تہذیبی رویے کو انفرادی کے ساتھ ساتھ اجتماعی ذمہ داری بھی تفویض کرتا ہے۔ اور فرد کو گھرانے، گروہ اور قوم کے ساتھ منسلک کرتا ہے۔ تاریخ کا شعور اجتماعی کیفیت کو نمایاں کرتا ہے اور اس طرح وہ سب مظاہرات رونما ہوتے ہیں جن سے قوموں کے کلچر کی شناخت ہوتی ہے۔ تاریخ کا شعور تہذیبی رویے کی صورت اُس وقت اختیار کرتا ہے جب تہذیبی رویے انسانی آبادی میں آشکار ہوتے ہیں۔ اور اس طرح اجتماعی وحدت ظاہر ہوتی ہے۔ یہ اجتماعی وحدت فنِ تعمیر، ادب و شاعری، علوم، اور فنون و سپہگری سے جہاز رانی، ایجاد و دریافت، تمدنی اداروں اور اندازِ حکمرانی تک اپنا اظہار پاتی ہے اور انسان اس امر سے آگاہ ہوتا ہے کہ ایک نئی دنیا ظاہر ہوئی ہے اور جہانِ نو کے وجود پانے کی خبر عام ہوئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تہذیبی رویے بنیادی طور پر تخلیقی نوعیت کے رویے ہیں۔ اور خاص طور پر عمل، زمانہ گری اور شعورِ تاریخ ایسے تہذیبی رویے ہیں جن سے انسانی آبادی کی صورت بدلتی ہے۔ اور صداقت یہ ہے کہ انسان بدلتا ہے۔ فکرِ اقبال میں جن بنیادی تہذیبوں رویوں کی نشاندہی کی گئی ہے اُن سے انسانی زندگی کا رخ متعین ہوتا ہے اور انسان اپنے لیے نئے زمانے اور نئی دنیائیں تخلیق کرتا ہے۔ جو زمین پر وجودِ مطلق کے احسانات کی گواہی دیتی ہیں۔ فکرِ اقبال کی روشنی میں کلچر کو اس مفہوم میں پہنچانے کی ضرورت جتنی ہمارے عہد کو ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی!

تصوراتِ عشق و خرد

(اقبال کی نظر میں)

از

ڈاکٹر وزیر آغا

''تصوراتِ عشق و خرد'' میں وزیر آغا نے مطالعے کی جس وسعت اور تلاش کی جس ندرت کا ثبوت دیا ہے وہ قابلِ داد ہے۔'' (شمس الرحمٰن فاروقی و شب خون)

''ڈاکٹر وزیر آغا ایک بار پھر ایک ناقابلِ فراموش تصنیف اپنے قارئین کے لیے منظرِ عام پر لے آئے ہیں۔''
(ابنِ فرید (الفاظ)

اقبال صدی کے طفیل میں کتابوں کی جو بھیڑ بھاڑ ہے اس میں وزیر آغا کی یہ کتاب واحد کتاب ہے جو مجھے متاثر کر سکتی ہے۔ (کلام حیدری و آہنگ)

''اس سے اچھی کتاب میں نے آج تک نہیں پڑھی، اقبال ہوتے تو حیرت میں پڑ جاتے۔ یہ کتاب ان کے افکار کی توسیع بھی ہے۔ پوری ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں۔
(مہدی جعفر)

قیمت : ۲۵ روپے

ناشر

اقبال اکادمی پاکستان

۱۱۶ میکلوڈ روڈ، لاہور